Article

Asif Farukhi as a Critic

آصف فرخی بحیثیت نقاد

Zahida Bibi*[1]
PhD Scholar, Department of Urdu, BZU, Multan
Dr.Zafar Hussain Harral*[2]
Associate Professor, Department of Urdu, BZU, Multan

زاہدہ بی بی*[1]
پی ایچ ڈی اردو سکالر، شعبہ اردو، بہاءالدین زکریایونیورسٹی، ملتان
ڈاکٹر ظفر حسین ہرل*[2]
ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ اردو، بہاءالدین زکریایونیورسٹی، ملتان

Correspondance:abidh8058@gmail.com

eISSN:**3005-3757**
pISSN: **3005-3765**

Received: 01-11-2024
Accepted:23-12-2024
Online:25-12-2024

Copyright:© 2023 by the authors. This is an access-openarticle distributed under the terms and conditions of the Creative Common Attribution (CC BY) license

Abstract: Literary criticism is considered in itself as a literary creation. New trends in literary criticism has also elevated its structure in creative world and so has become a more demanding criticismship and vision and skills. Asif Farrukhi established his repute as a short story writer, as a translator and as a critic. As a critic he avoided following any set literary tradition. In this way he travels the way he created himself. He has both the courage to say and the words to conveying what he wants to say. He assessed the creations and piece of art from his own perspective, the way no other critic does the same in urdu spending commonly. His grips over the western literature exposure to the English literature stand him in good stead do his world more strongly and with bravery authenticity.

KEYWORDS: literary criticism, globalization insight, literary trends, literary discussion, imagination, point of view, ideology, tranquility.

تنقید اور ادب کا آپس میں گہرا رشتہ ہے۔ادب کے بغیر تنقید اور تنقید کے بغیر ادب کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ سب سے پہلے ادب وجود میں آتا ہے اس کے بعد تنقید۔ تنقید سے ایک قاری جو کچھ سمجھتا ہے وہ غور و فکر کرنے کے بعد وہی بات دوسروں کو بھی سمجھانے کی کوشش کرتا ہے۔اسے تنقید نگار کہا جاتا ہے۔ تنقید کے مختلف نقادوں نے مختلف تعریفیں کی ہیں۔ اطالوی دائرہ المعارف نے لکھا ہے:

"تنقید اس عمل یا ذہنی حرکت کا نام ہے، جو کسی شے یا ادب پارے کے ان خصائل کا امتیاز کرے، جو قیمت (value) رکھتی ہے بخلاف ان کے جن میں (value) نہیں۔"(۱)

ارسطو سے ایلیٹ تک میں ڈاکٹر جمیل جالبی تنقید کی اس طرح تعریف کرتے ہیں:

"تنقید کے معنی جیسا کہ عام طور پر سمجھا جاتا ہے، اعتراض و نکتہ چینی کے نہیں ہیں اس کے معنی کسی شاعر یا ادیب کی توصیف و تحسین کے بھی نہیں ہیں اگر کسی شاعر یا ادیب کی تخلیقات کا مطالعہ کرنا ہے تو تنقید کا کام یہ ہے کہ وہ اس سے اس کے پہلے دور میں اور ساتھ ساتھ اپنے دور میں رکھ کر یہ دیکھے کہ اس نے تخلیقی سطح پر فکر و احساس اور اسالیب کی دنیا میں کیا کام کیا ہے۔"(۲)

ڈاکٹر سید عبداللہ تنقید کی تعریف اس طرح کرتے ہیں:

"تنقید کا مطلب کسی ادب پارے کی خوبیوں اور کمزوریوں کا مطالعہ وسیع تر معنوں میں، اس میں تنقید کے اصول قائم کرنا اور ان اصولوں کو تنقید میں استعمال کرنا بھی شامل ہے گویا اس میں کچھ نہ کچھ فلسفہ بھی داخل ہو جاتا ہے کیونکہ اصول بندی فلسفیانہ عمل ہے۔"(۳)

ڈاکٹر سنبل نگار اپنی کتاب اردو نثر کا تنقیدی مطالعہ میں تنقید کی تعریف اس طرح کی ہے:

"تنقید اور شعر و ادب کا آپس میں گہرا رشتہ ہے کہ ایک کے بغیر دوسرے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ پہلے ادب وجود میں آتا ہے پھر اسے پرکھنے کیلئے تنقید۔"(۴)

مختلف ناقدین نے تنقید کی مختلف اقسام بتائی ہیں جن میں جمالیاتی تنقید، نظریاتی تنقید، نفسیاتی تنقید، عمرانی تنقید، تاثراتی تنقید، مارکسی تنقید، رومانوی تنقید اور سائنٹفک ادبی تنقید وغیرہ شامل ہیں۔

تنقید کے لفظ کو جب بھی استعمال کیا جائے تو عمومی طور پر اس سے ادبی تنقید مراد لی جاتی ہے۔ اس حوالے سے ڈاکٹر ابوالکلام قاسمی کہتے ہیں:

> ''مانتا ہوں کہ تنقید وہ شعبہ فکر ہے جو یا تو یہ معلوم کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ یہ شاعری چیز کیا ہوتی ہے؟ اس کے فوائد کیا ہیں؟ یہ کن خواہشات کی تسکین بہم پہنچاتی ہے؟ اشعار لکھے کیوں جاتے ہیں؟ سنائے کیوں جاتے ہیں؟ یا ان تمام باتوں کے متعلق علم و آگہی کے چند شعوری یا غیر شعور مفروضات قائم کر کے نظم و اشعار کی حیثیت متعین کرتا ہے۔''(۵)

تنقید کسی نہ کسی طرح سے جاری رہتی ہے چاہے وہ عام زندگی ہو یا ادبی سفر ہر وقت ہر جگہ تنقید ضروری امر ہے۔ تنقید کی بدولت ہی کوئی ادبی فن پارہ نکھر کر اصلی مقام حاصل کر سکتا ہے۔ ادبی تنقید کو بذات خود ایک ادبی تخلیق سمجھا جاتا ہے۔ ادبی تنقید میں نئے رجحانات نے ہی ادبی تنقید کو طلب کام بنا دیا ہے مختلف نقاد ہیں جنہوں نے ادب پر تنقید کی ان میں وزیر آغا، احتشام حسین، ڈاکٹر جمیل جالبی، ڈاکٹر سید عبداللہ، شمس الرحمن فاروقی، گوپی چند نارنگ، قاضی افضال حسین، شافع قدوائی، ناصر عباس نیر، آصف فرخی، ممتاز شیریں، ابوالکلام قاسمی وغیرہ شامل ہیں۔

آصف فرخی تنقید کی دنیا کے وہ روشن ستارے ہیں جنہوں نے صحیح معنوں میں ادب کو اوڑھنا بچھونا بنایا۔ ان کے تنقیدی مضامین اردو فکشن کی تنقید سے بحث کرتے ہیں۔ یہ مضامین اصولی طور پر روایتی تنقیدی مباحث اور طریقہ کار سے اختلاف رکھتے ہیں۔

اکیسویں صدی میں فکشن کے حوالے بیانات اور مباحث نے سنجیدہ تنقید کا پورا سٹرکچر بدل کر رکھ دیا۔ کیونکہ اس سے پہلے انیسویں صدی یا اس سے بھی پہلے اردو تنقید کی جو مخصوص شکل رائج تھی وہ مغربی اثرات کی زد میں تھی۔ شروع سے ہی اردو تنقید اور تاریخ کو مغربی تنقید نے بہت متاثر کیا اور اردو نقادوں نے مغربی نقادوں کی پیروی کی جس سے اردو تنقید پر مغربی تنقید کا غلبہ نظر آتا ہے۔

اکیسویں صدی کے نقادوں نے روایتی تنقید سے ہٹ کر تنقید کی جس سے مغربی نقادوں سے اردو تنقید کی جان چھوٹی انہیں میں ایک آصف فرخی ایسی شخصیت ہیں جنہیں اپنی بات کہنے کا فن آتا ہے اور کہنے کی جرات اور حوصلہ بھی رکھتے ہیں۔ ان روایتی ہتھکنڈوں سے ہٹ کر تنقید کرنے کا حوصلہ رکھتے ہیں۔

ان کی تین تنقیدی کتب ہیں جن میں انہوں نے فکشن پر تنقید کی ہے۔ ان کی پہلی کتاب ''عالم ایجاد'' ہے جو ۲۰۰۴ء میں شہرزاد پبلشرز کراچی سے شائع ہوئی۔ اس کتاب میں آصف فرخی کے تنقید کا فن کھل کر سامنے آیا ہے۔ صحیح معنوں میں جسے تنقید کا فن کہا جاتا ہے تو آصف فرخی کا اس کتاب میں فن عروج پر نظر آتا ہے۔ اس کے علاوہ ان کی دوستی

تنقیدی کتاب ''نگاہِ آئینہ ساز میں'' ہے جو ۲۰۰۹ء میں شہر زاد پبلشرز کراچی میں شائع ہوئی۔ اس کے علاوہ تیسری تنقیدی کتاب کہانی نئے مضمون کی بھی ہے جس میں تنقید نگاری کا فن ان کی تینوں کتابوں میں کھل کر سامنے آتا ہے۔ آصف فرخی ایک اچھے افسانہ نگار کے ساتھ ساتھ ایک اچھے نقاد بھی ہیں۔ آصف فرخی کی افسانوی تنقید کے حوالے سے کچھ نہیں کہا جاسکتا کیونکہ وہ ایک ڈسپلن کے تابع ہے اور ان کی نمایاں صورت بیانات کے بنیادی مباحث سے توانائی حاصل کرتی ہے۔ اس حوالے سے شفیق فاطمہ شعری کہتی ہے:

> ''آصف فرخی کے پاس وسیع مطالعے کے ساتھ ساتھ اپنی باتیں بھی ہیں
> جرات سے کہنے کیلئے اور بات کہنے کا وہ انداز بھی جس کی وجہ سے بات کو
> عرصے تک یاد رکھا جاسکتا ہے۔''(۶)

آصف فرخی کی پہلی تنقیدی کتاب ''عالم ایجاد''میں فکشن کی تنقید پر جتنے بھی مضامین شامل ہیں وہ سلسلہ وار لکھے گئے ہیں جبکہ اس کے علاوہ جتنے بھی مضامین ہیں وہ وقتاً فوقتاً لکھے گئے ہیں۔

ان مضامین میں ایک مضمون ''نصوح ہیضے سے کتاب سوزی تک''میں آصف فرخی نے جس طرح سے تنقیدی مباحث کو اٹھایا ہے وہ ناقابل بیان ہیں۔ اس مضمون کو ڈپٹی نذیر احمد کے ناول ''توبتہ النصوح'' کو موضوع کا حصہ بنایا گیا ہے کہ اس ناول میں ایک تو نذیر احمد نے کس طرح کردار نگاری کی ہے دوسرا اس ناول میں ہیضے کی بیماری کو ہی ناول کا موضوع کیوں بنایا گیا ہے۔ ان سب باتوں کی وضاحت کی ہے۔ آصف فرخی نے اپنے مضمون میں۔

آصف فرخی ایک ایسے نقاد ہیں جو روایت شکن نقاد ہیں کیونکہ انہوں نے روایتی تنقید سے ہٹ کر کی ہے اس کے ساتھ ساتھ جس فن پارے پر تنقید کر رہے ہوتے ہیں اس کی اس طرح وضاحت کرتے ہیں کہ ایک قاری پر سب کچھ واضح ہو جاتا ہے۔ ان کے پاس الفاظ اور کہنے کا ڈھنگ باقی نقادوں سے الگ ہے۔ ایک نقاد اور ادیب کیلئے ضروری ہوتا ہے کہ ان کا مشاہدہ بہت زیادہ ہو اور یہی چیز آصف فرخی کے پاس ہے ان کے پاس مشاہدہ کی قوت بھی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ کہنے کیلئے الفاظ کا استعمال بھی انہیں اچھے سے کرنا آتا ہے۔

عالم ایجاد میں شامل دس مضامین ان کے قوت مشاہدہ کے ساتھ ان کے الفاظ استعمال کرنے کے انداز کو بھی یہ مضامین واضح کرتے ہیں۔ ''عالم ایجاد''میں شامل پہلا مضمون ہی ڈپٹی نذیر احمد کے ناول سے لیا گیا ہے کیونکہ نذیر احمد کے جتنے بھی ناول ہیں ان میں وہ کسی نہ کسی طرح سے اصلاح کا پہلو ضرور نکال لیتے ہیں۔ اسی حوالے سے آصف فرخی نے ان کا یہ مضمون لیا کہ ہیضہ ایک عام بیماری ہے جو عوام اور خواص دونوں کو لاحق ہو سکتی ہے جس کی وجہ سے عوام و خواص دونوں واقف ہیں اور ناگہانی موت جیسے صحیح معنوں میں ناگہانی موت کہا جاسکتا ہے وہ اسی بیماری کی وجہ سے آدمی ناگہانی موت مر سکتا ہے۔ اسی لیے ڈپٹی نذیر احمد اس کو اپنی مقصدی کتھا کیلئے استعمال کیا تاکہ لوگ اس سے سبق سیکھ سکیں۔ عالم ایجاد میں آصف فرخی اس مضمون کی اس طرح سے وضاحت کرتے ہیں:

''کیونکہ وبا ایک وسیلہ یا بہانہ ہے لوگوں کو درس عبرت دلا کر نیکوکاری
درستی کی طرف مائل کرنے کا۔''(۷)

نذیر احمد کے علاوہ اور بھی بہت سے ادیبوں نے بیماری یا وباؤں کو علامتی مفہوم میں استعمال کیا ہے۔اس حوالے سے ڈاکٹر آصف فرخی کہتے ہیں:

''نذیر احمد کے معنوی ورثاء میں سے انتظار حسین نے بھی وبا کو علامتی مفہوم
میں استعمال کیا ہے۔''(۸)

ڈپٹی نذیر احمد کے اس ناول کے حوالے سے آصف فرخی کو بہت زیادہ اعتراض ہے لیکن اس کے باوجود بھی وہ اس ناول میں اصلاح یا اچھائی نکال ہی لیتے ہیں جس طرح سے اس ناول کے کردار کو اپنی بیماری کے ذریعے اپنی غلطی کا احساس ہونا یہ ایک طرح سے آصف فرخی کیلئے ایک خوشگوار پہلو ہے۔اس ناول کا سب سے اہم پہلو جو آصف فرخی اپنے مضمون میں پیش کرتے ہیں وہ یہی ہے لیکن اس ناول کے متعلق نام نہاد نقادوں نے کبھی کھل کر بات نہیں کی۔جس طرح سے اس ناول میں ڈپٹی نذیر احمد نے کہا۔مثال کے طور پر:

''مسلمان ہیضے سے مرتے ہیں جبکہ ہندو طاعون سے۔اس بات کے متعلق
آصف فرخی کہتے ہیں بیماری کے اسلام شناسی کے خواص سے قطع نظر بیماری
کے اپنے خواص اس ناول میں بیماری کیلئے اہم ہیں۔''(۹)

اس ناول میں جس طرح سے تصادم اور کشمکش کو کھل کر بیان کیا گیا ہے ناقدین نے کبھی بھی اس پر کھل کر بات نہیں کی۔کھل کر بات کرنے کی جرات اور حوصلہ صرف اور صرف آصف فرخی کو ہے۔اس لیے انہیں روایت شکن نقاد مانا جائے تو بے جانہ ہو گا۔آصف فرخی اپنے مضمون میں واضح کرتے ہیں کہ ناول نگار کلیم اور نصوح کے تضاد کو ناول میں حل کرنے سے ناکام رہا۔

آصف فرخی کے دوسرے مضمون پرندہ پنجرہ ڈھونڈتا ہے کو اگر دیکھیں تو یہ مضمون بظاہر کافکا کے متعلق دکھائی دیتا ہے۔اس میں جدید اردو افسانہ کی شعریات مرتب کرنے کی ایک نادر مثال ملتی ہے اس ساری کوشش میں انہوں نے کافکا کے متعلق جتنی بھی باتیں کیں وہ کام کی باتیں تھیں۔جس کی بنا پر افسانے کے خدوخال واضح ہوتے ہیں۔اردو افسانہ میں جتنی بھی چیزیں لازم وملزوم کا درجہ رکھتی ہیں ان سب رسموں سے آصف فرخی اپنے مضمون ''باتوں سے افسانے تک''میں ان سب رسموں سے آزادی دلاتے ہیں۔اس مضمون میں انہوں نے افسانے کے متعلق باتیں کیں، جس طرح پہلے کردار اور واقعات کو افسانے یا ناول میں لازم سمجھا جاتا تھا۔آصف فرخی اپنے مضمون میں کہتے ہیں ان سب چیزوں کا استعمال افسانہ نگار کی صوابدیدگی پر ہوتا ہے۔یہ ضروری نہیں ہے کہ افسانہ نگار ان چیزوں کو استعمال کرے کلیہ سازی آصف فرخی کو پسند نہیں ہے۔اس حوالے سے اپنے مضمون میں آصف فرخی کہتے ہیں:

''کلیہ سازی کو مردہ گھوڑے کی کھال سمجھتے ہیں۔ جس میں بھوسہ بھرنے
کے اور کوئی کام نہیں لیا جاسکتا۔''(۱۰)

اس مضمون میں ناول اور افسانے میں داستان اور ناول کے حوالے سے بھی بات کی گئی ہے ناول اور داستان کو مرکزی حیثیت دے کر ناقدین نے صرف ناول کی طرف توجہ دی ہے حقیقت اور واقعیت نگاری کو صرف ناول کا لازم سمجھا ہے۔ لیکن اس مضمون کے متعلق آصف فرخی کا موٴقف ان ناقدین سے علیحدہ ہے وہ کہتے ہیں کہ ان ناقدین نے داستان کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا۔

اس حوالے سے آصف فرخی کہتے ہیں:

''افسانوی ادب کی تنقید کے ماضی سے انکار کا موجودہ خیال خود اس ادبی
سرمائے کے بارے میں از حد تنگ نظر اور محدود تصور کا نتیجہ معلوم ہوتا
ہے اگر ہم یہ سمجھتے ہیں کہ متفرق اور فرد کتابوں کا ڈھیر ایک منظم اور
مرتب روایت ہے تو پھر ہمیں تسلیم کرنا پڑے گا کہ وہ خود آگاہی جو تنقید کی
بنیاد ٹھہرتی ہے اس روایت کیلئے جزولازم ہے اوپر سے چھڑکی ہوئی یا اضافہ
کی ہوئی نہیں۔''(۱۱)

آصف فرخی ایک ایسے نقاد ہیں جو کسی بھی ادب پارے میں کردار، پلاٹ، مکالمہ کے تکلفات کو ماننے سے انکاری ہیں اور اس بات سے بھی انکاری ہیں کہ کسی بھی تصنیف پر اس مصنف کے حالاتِ زندگی اثر انداز ہوتے ہیں۔ آصف فرخی اس چیز سے انکاری نہیں کہ کسی بھی مصنف کی تحریر پر اس کے حالات زندگی اثر کرتے ہیں۔ مصنف کی نجی زندگی کی تمام تر تفصیلات بعض اوقات تحقیق میں رکاوٹ بھی بن جاتی ہیں یہ ضروری نہیں کہ ہر دفعہ وہ تحقیق میں معاون ہی ثابت ہوں بلکہ بعض دفعہ ایک محقق جو حقائق اکٹھے کرتا ہے وہ اس کی تحقیق کے برعکس ہوسکتے ہیں اس لیے مصنف کے حالات زندگی اس کی تحریر پر اثرانداز ہوتے ہیں یہ سمجھنا غلط ہے۔ اسی ایک اصول کو مدنظر رکھ کر تحقیق کرنا غلط نتیجہ نکال سکتا ہے۔

اس کے علاوہ آصف فرخی اپنی دوسری تنقیدی کتاب '' نگاہِ آئینہ ساز میں''ایک بات کی طرف یہ بات بھی کرتے ہیں۔ ہمارے نقاد مغرب کی اندھی تقلید کرتے ہیں اور شائستہ سہروردی کے متعلق بات کرتے ہوئے کہتے ہیں ہمارے ملک میں اسے ایک اچھی نقاد مانا جاتا ہے۔ جبکہ ان کی کتاب کو اگر اٹھا کر دیکھا تو اس میں ان کے حالاتِ زندگی کے علاوہ کچھ بھی نہیں بلکہ اس کی مشہوری کی وجہ یہ ہے کہ اس کی کتاب کے حوالے مغربی کتابوں میں ملتے ہیں۔

ہمارے ملک کا سب سے بڑا المیہ یہی ہے کہ لوگ کتابوں کو پڑھتے ہیں اور جانچے بنا انہیں اچھا ماننا شروع کردیتے ہیں۔ ہمارے ہاں سارے ناقدین کا حال ایک جیسا ہے۔ آصف فرخی کو کھری بات کہنے کا حوصلہ ہے جو چیز انہیں باقی نقادوں سے الگ مقام دلاتی ہے وہ یہی چیز ہے۔ باقی نقاد چیزوں میں جو اعتراض لگاتے ہیں ان میں ان کی پسند ناپسند بھی

شامل ہوتی ہے جبکہ اس حوالے سے وہ کہتے ہیں کہ ان کا کام تو فن کاروں کی اصلاح کرنا ہے جبکہ اس میں ان کی دلسوزی شامل ہوتی ہے۔ لیکن اگر تنقید انتشار کا مرکز نہ بتائے تو وہ کسی کام کی نہیں۔ تنقید میں ذاتی پسند ناپسند کا کوئی بھی جواز نہیں بنتا۔ آصف فرخی فکشن اور تنقید دونوں میں بے جا الفاظ کا استعمال نہیں کرتے وہ صرف عبارت سے متعلق ہی بات کرتے ہیں۔ تنقید کی دنیا میں آصف فرخی ذاتی پسند ناپسند سے بالاتر ہو کر سوچتے ہیں یہی وجہ ہے کہ وہ تنقید کی دنیا میں ایک الگ مقام بنانے میں کامیاب ہوئے۔

آصف فرخی ایک ایسے نقاد، افسانہ نگار، مترجم، مدیر نہیں جن کا تعلق کسی بھی نظریے سے نہیں ہے۔ اگر ان کا تعلق کسی بھی نظریے سے ہوتا تو وہ اسی فکر کے تحت لکھتے۔ لیکن انہوں نے مختلف اصناف میں کسی بھی فکر سے ہٹ کر اپنے آپ کو ادب کی دنیا میں منوایا جو کچھ بھی انہوں نے لکھا یہ سب ان کے اپنے ذہن کی پیداوار ہے۔ مجموعی طور پر آصف فرخی تنقید کی دنیا میں تیس سال کے عرصے سے کام کر رہے ہیں۔ لیکن اپنے تنقیدی کتب میں انہوں نے دو تین سال کی تنقید کو موضوع بنایا ہے، جو مغربی ادب اور اردو ادب میں جو فکری اور نظری توازن ہے اس میں احساس کمتری کا نشانہ تک نہیں۔ بلکہ تنقید نے آصف فرخی کو وقار بخشا ہے تنقید میں بہت کم لوگوں کو ملتا ہے۔ آصف فرخی کی رسائی مغربی ادب خصوصاً انگریزی ادب تک بہت زیادہ تھی جس کی بنا پر وہ اچھے نقاد کہلائے جاسکتے ہیں۔ انہوں نے مغربی ادب اور انگریزی ادب کو بہت زیادہ پڑھا اور مشاہدہ کیا اور خامیوں کی نشاندہی انہی مضامین میں کی کہ ہمارے ناقدین اور مصنفین میں کیا کیا خامیاں ہیں ان کی نشاندہی کی۔

حوالہ جات

۱۔ سید عبد اللہ، ڈاکٹر، اشاراتِ تنقید، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز،، ۲۰۱۴ء، ص:۱۱

۲۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، ارسطو سے ایلیٹ تک، اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن، ۲۰۱۷ء، ص:۱۲

۳۔ سید عبد اللہ، ڈاکٹر، اشاراتِ تنقید، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۴ء، ص:۱۰

۴۔ سنبل نگار، ڈاکٹر، اردو نثر کا تنقیدی مطالعہ، لاہور: فکشن ہاؤس، ۲۰۱۹ء، ص:۲۵۲

۵۔ ابو الکلام قاسمی، ڈاکٹر، نظریاتی تنقید (مسائل و مباحث)، ملتان: بیکن بکس لاہور، ص:۶

۶۔ رخسانہ پروین، آصف فرخی کی افسانہ نگاری، مقالہ برائے ایم فل اردو، ملتان: شعبہ اردو، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ص:۲۲

۷۔ آصف فرخی، ڈاکٹر، عالم ایجاد، کراچی: شہرزاد پبلشرز، ۲۰۰۴ء، ص:۲۵

۸۔ ایضاً، ص:۴۰

۹۔ ایضاً، ص:۵۲

۱۰۔ ایضاً، ص:۲۸

۱۱۔ ایضاً، ص:۸۵